انڈالوجی (ہندوستانیات) کی علمی روایت کا فروغ اور مجلّہ ’فنون‘ لاہور

ڈاکٹر روبینہ ترین* ڈاکٹر قاضی عابد** محمد ابراراحمد آبی***

Abstract:
Indalogy is a newly discovered knowledge about everything about India. Fannoon Lahore has published a series of articles covering the tradition of Indalogy as a whole. These articles are written by Rasheed Malik and Tauos Rasool. This article traces and analysis this tradition. It also reflects the contribution of Fannoon in this respect.

ڈاکٹر وزیرآغا کی کتاب ’’اُردوشاعری کا مزاج‘‘ اپنی اشاعت کے وقت سے ہی نزاعی ثابت ہوئی۔اس کتاب کے مشمولات کو جہاں آغا صاحب کے مداحین نے اُردوتنقید کی سب سے اہم پیش رفت قرار دیا وہیں پر آغا صاحب کے مخالفین یا ان سے کچھ اثر قبول نہ کرنے والے ناقدین نے اس کتاب پر سخت قسم کے مضامین بھی لکھے۔ اس کتاب کے مداحوں میں ایک طرف تو سجاد نقوی جیسے آغا صاحب کے آنکھیں بند کرکے تقلید کرنے والے ادیب تھے اور دوسری طرف ڈاکٹر رشید امجد جیسے معروضی نقطہ نظر رکھنے والے ناقدین تھے جو ایمانداری سے سمجھتے تھے کہ یہ کتاب اُردو شاعری کی تفہیم کے نئے در وا کرتی ہے۔دوسری طرف اس کتاب کوسخت ترین تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ ہندوستان میں وارث علوی[ا] نے آغا صاحب کی تنقید کا مفصل محاکمہ کرتے ہوئے اس کتاب میں کی گئی نظریہ سازی اور اس نظریہ سازی کی بنا پر مستخرج نتائج کو رد کیا[۲] ۔اس طرح ’’جواز مالیگاؤں‘‘ میں فضیل جعفری نے ’’وزیرآغا کی تنقید نگاری‘‘ کے عنوان سے اس کتاب کا بھرپور محاکمہ کیا۔[۳] پاکستان میں رشید ملک نے چار اقساط میں ’’معاصر لاہور‘‘[۴] کے ابتدائی تین اور اب اس کتاب کا جائزہ لیا ہے۔آخری مضمون رشید ملک کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے۔ڈاکٹر انور سدید اور سجاد نقوی نے بالترتیب فضیل جعفری اور رشید ملک کے مضامین کے جواب تحریر کئے ہیں۔لیکن وارث علوی کے مضمون کا جواب یہ کہہ کر نہیں دیا گیا کہ

’’ان کا مضمون دشنامِ قبیح کا نمونہ ہے۔اس لئے اسے اتنی بھی اہمیت نہیں دی

* صدر شعبۂ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
** استاد شعبۂ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔
*** استاد شعبۂ اُردو، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان۔

جاسکتی جتنی مرزا غالب نے کھتری قتیل کو دی تھی اور اس استرداد کی رسمی ضرورت
بھی نہیں محسوس ہوتی۔''[۵]

ان مضامین کی تحقیقی وتنقیدی اہمیت اپنی جگہ ضرور ہوگی لیکن ان کا غیر معروضی لب ولہجہ ان پر اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ ان مضامین میں کام کی باتیں بھی پھبتیوں اور طعن وتشنیع کے اندھیرے میں چھپ جاتی ہیں۔ رشید ملک کے مضامین جب فنون کو بھیجے گئے تو احمد ندیم قاسمی نے یہ مضامین واپس کر دیئے[۶]۔ سورشید ملک نے یہ چار مضامین لکھنے کے لئے جو وسیع مطالعہ کیا تھا اسے مثبت انداز میں اُردو پڑھنے والوں کے سامنے پیش کرنے کی تجویز انہیں قاسمی صاحب نے دی[۷]۔ یوں انڈالوجی کے نام سے برصغیر پاک وہند کے مطالعہ کی ایک صورت سامنے آئی۔ یہ سلسلہ نومبر دسمبر ۱۹۸۷ء سے شروع ہوا اور مئی دسمبر ۲۰۰۷ء تک بیس قسطوں[۸] میں مکمل ہوا۔

انڈالوجی بنیادی طور پر تو استشراق (Orientalism) کی ایک شاخ ہے لیکن اب یہ ایک خود مکتفی علم کے طور پر اپنا وجود رکھتی ہے۔ ''ہندوستان'' کے مطالعے کا نام علمی تاریخ میں انڈالوجی قرار پاتا ہے اور یہ علم ہندوستان کی قدیم ترین تاریخ کے تمام تر گوشوں کو وا کرتا ہے۔

''Indology is a branch of a wider discipline called Orientoloty which is a western invention. It is the result of the romanticist impulse of the 19th century West. The Western acquaintance with India with its rich heritage going far back in antiquity inspired interest in India's culture enchirned in its classical literature as well as in art and architecturel. With the growing interest in the living traditions in this part of the world the western scholarship engaged itself in fathoming the cultural wealth of the Indian subcontinent. Needless to say that 'India' from which 'Indology' is derived represents the Indian Subcontinent.

Started and nurtured in the West, Indology has a history of a little over 200 years. It arrived in India along with a few other imported ideologies with the package of modern higher education during preindepenence period. Since then a new current of indigenous Indology joined the main current. The contact with the Western Indologists led to India's self-understanding and Indology got firmly rooted in the soil of its motherland. Eminent Indian Indologiests contributed a great deal to the establishment and development of this new discipline''.[۹]

اس سلسلہ مضامین کی پہلی قسط انڈالوجی کے تعارف پر مبنی ہے۔ انڈالوجی (ہندوستانیات) کی ترویج میں ہندوستان میں آنے والے مغربی اور مسلمان دانشوروں نے اپنا اپنا حصہ ڈالا اور ہندوستان کی قدیم تاریخ کے ان

گوشوں کونمایاں کیا۔ جو یہاں کی تہذیب، نسل، رنگ اور زبانوں پر محیط تھے۔ رشید ملک لکھتے ہیں کہ

''قدیم تہذیبوں کے عمیق مطالعے کے ساتھ نئے علوم طلوع ہوئے۔ قدیم مغربی تہذیب وتمدن کے خصوصی مطالعہ کا نام ایجپٹالوجی (Egyptology) ہے۔ اسیریا کے گہرے مطالعے کے لئے اسیریالوجی (Assyriology) تبت کے قبل از تاریخ مطالعے کے لئے تبتالوجی (Tibetology) چین کو قدیم تہذیب وتمدن اور تاریخ کے مطالعہ کے لئے سینیالوجی (Sinology) اور قدیم سندھ کے عمیق خصوصی مطالعے کا نام سندھالوجی (Sindghology) ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن، ثقافت وزبان، مذہب اور آثار کے گہرے مطالعے کا نام انڈیا سے انڈالوجی (Indology) ہے لیکن یہ سب اس وسیع علم کے شعبے ہیں جسے علم استشراق کہا جاتا ہے'' [۱۰]

انڈالوجی کا تعارف کراتے ہوئے رشید ملک نے صحیح طور پر لکھا کہ اگرچہ انڈالوجی کا آغاز انگریز مستشرقین نے کیا لیکن اس ضمن میں مسلمان حکمرانوں نے بھی اہلِ ہند کے علوم وفنون اور مذہب کے مطالعے کی طرف توجہ دی، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان بھی فاتحین کے طور پر ہندوستان پہنچے تھے۔ انہوں نے بھی انگریزوں کی طرح یہاں پر حکمرانی کرنے کے لئے یہاں کی تہذیب وتمدن، روایات، زبان اور ثقافت کے علاوہ تاریخ سے شناسائی حاصل کرنے کو ضروری خیال کیا اور یہاں پر غیر منضبط طور پر ہی سہی لیکن انڈالوجی کی روایت کو شروع کیا۔

''یہ تو واضح ہے کہ انڈالوجی کا تعلق ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن، ثقافت، زبان، فنون، مذہب، اساطیر اور دیگر علوم سے ہے۔ اگر چہ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس علم کی ابتداء اہلِ فرنگ نے کی لیکن یہ امر بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے بھی حتی المقدور اہلِ ہند اور ان کے علوم وفنون اور مذہب کا مطالعہ کرنے کا آغاز کیا۔'' [۱۱]

لیکن یہ سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں مطالعہ ہندوستان کی کوئی بڑی روایت کیوں نہ تشکیل پاسکی۔ اس سوال کے کئی جواب ممکن ہیں لیکن رشید ملک نے ڈاکٹر اطہر عباس رضوی کے دلائل کو اہمیت

دی ہے۔

''مسلمانوں کی ابتدائی علمی اور فکری سرگرمیوں کی تاریخ کی توسیع تین واضح مرحلوں میں ہوئی ہے۔ پہلے مرحلے میں مسلمانوں نے یونانی اور سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ دوسرے مرحلے میں مختلف ہندوستانی اور یونانی نظاموں میں ہم آہنگی پیدا کی اور تیسرے مرحلے میں انہوں نے خود علمی اور فکری تحقیقات کا کام شروع کیا۔ سنسکرت کی جن کتابوں نے سب سے زیادہ مسلمانوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کی وہ ہیئت ونجوم، ریاضیات اور پندونصائح کی کتابیں تھیں۔ نجوم میں سدھانت اور مواعظ کلیلہ ودمنہ جن کا پہلے ترجمہ کیا جاچکا تھا ان کا دوبارہ ترجمہ ہوا۔ یونانیوں کی فکری میراث جو اسلام کی عقلی فلسفہ کی تحریکوں سے بیشتر ہم آہنگ تھی سنسکرت کے وسیع فلسفیانہ اور مذہبی کاموں سے چشم پوشی کا باعث بنی۔ ہندوازم کے دلچسپ نکات اور اس کے آداب و رسوم جن کا ذکر عبدالحئی گردیزی کی کتاب ''زین الاخبار'' میں آیا ہے، دراصل اس کی اساس ابن خرداویہ کتاب المالک والمما لک ہے''۔[۱۲]

اس قسط میں انڈالوجی کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ اس کی روایت کا بھی اختصار کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہے اور مارکو پولو کے سفرنامے سے لے کر میکس میولر کے باون مجلدات کے عظیم نام کے درمیان جو جو اہم مستشرقین یا انڈالوجسٹ آتے ہیں ان کے کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔ رشید ملک کا خیال ہے اور یقیناً درست ہے کہ انڈالوجی کا آغاز سیاحوں کے اپنے اسفار کے ذکر سے ہوا۔

''ابو ریحان البیرونی ۹۷۱۔ ۱۰۳۹ء) اور ابولفضل (۱۵۵۱ء۔۱۶۰۲ء) اور دوسرے مذکورہ بالا مفکرین کے بعد مغربی دانش کی روشنی میں ہندوستان کے متعلق اہلِ فرنگ کے سنجیدہ مطالعے کا آغاز گو سترھویں صدی کے نصف آخر یا اٹھارویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ہوا مگر سیاح اسکی داغ بیل پہلے ہی ڈال چکے تھے۔ سیاحت کے محرکات میں دولت کی تلاش یا محض ایک دور دراز اساطیری اور رومانوی نامعلوم دنیا کے متعلق تجسس تھا۔ ان سیاحوں کی اہمیت ان

> یادداشتوں کی بنا پر ہے جو انہوں نے اس خطہء ارض کے متعلق قلم بند کیں۔ ان لوگوں کے سفرناموں اور روزناموں نے اہل یورپ کے تجسس کو مزید اکسایا اور تجارتی اور سامراجی سرگرمیوں کے امکانات کو روشن تر کیا۔ ہمارے لئے یہ تاریخ کے اہم ماخذ ہیں۔ مشرق بالخصوص سیاسی تسلط کے لئے انہوں نے ہراول دستے کا کام کیا۔ ان سیاحوں کی فہرست کافی لمبی ہے۔" [۱۳]

سیاحوں، سیاست دانوں، پادریوں، اسکالروں، اساتذہ، ماہرین لسانیات، ماہرین آثاریات اور انڈین سول سروس سے تعلق رکھنے والے افسروں کی کاوشوں نے اس وسیع دائرہ علم کو رواج دیا جسے آج ہم انڈالوجی کے نام سے جانتے ہیں۔ رشید ملک نے لکھا ہے کہ

> "چنانچہ ان مختلف زمروں سے تعلق رکھنے والوں کی کاوشوں سے وہ شعبہ علم وجود میں آیا جسے انڈالوجی کہتے ہیں اور جس کا مقصد قدیم ہندوستان کے متعلق ہر موضوع پر کام کرنا ہے۔ دنیا کی ہر اہم دانش گاہ میں انڈالوجی کا شعبہ قائم ہے اور اس سے وابستہ لوگ اس موضوع پر اپنا اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔" [۱۴]

رشید ملک نے بتایا ہے کہ بشریات (علم الانسان) کے شعبے سے ای بی ٹائلر، ہربرٹ سپنسر، لیوی سٹراس، درخائم نے جبکہ لسانیات کے حوالے سے میکس میولر، سرمونٹیئر نے اہم کام کئے ہیں۔ اسی طرح سے انہوں نے فرائڈ، ژنگ، شمٹ، فریزر، جین ہریسن اور ہک کے کام کی بھی تعریف کی ہے۔

انہوں نے انڈالوجی کے خدوخال کو درج ذیل تیرہ زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ہندوستان کی دریافت

۲۔ انڈالوجی کی تحقیق میں لسانیات کی اہمیت اور جرمن دانشوروں کی اس میں دلچسپی۔

۳۔ افراد کی بجائے اداروں مثلاً رائل ایشیاٹک سوسائٹی، امریکن اورینٹل سوسائٹی اور دیگر اداروں کی بھرپور دلچسپی سے ہندوستانیات کو فروغ حاصل ہوا۔

۴۔ سیاسی مفادات کا حصول، حکومت کرنے اور اسے طول دینے کے لئے مقامی لوگوں، رسوم و رواج وغیرہ کا علم۔

۵۔ انڈالوجی نے ہندوستان کے حال سے صرفِ نظر کر کے صرف ماضی کا مطالعہ کیا۔ ماقبل تاریخ اور کلاسیکی عہد کا مطالعہ

۶۔ ہند کے باشندوں کو کم تر اہمیت دی گئی

۷۔ پرانی کتابوں کے ذریعے ہندوستان کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش (یہاں سعید کا حوالہ برمحل ہے کہ یہ ایسا ہے جیسے بائبل کے ذریعے برطانوی دارالعلوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔)

۸۔ یورپی اقتدار اور کلچر کی توسیع، نئی منڈیوں کی تلاش، وسائل اور خام مال کی تلاش

۹۔ انیسویں صدی میں (خالص) سکالرز نے بھی انڈالوجی کی طرف توجہ کی۔

۱۰۔ قدیم کتب کی دریافت اور مکرر اشاعت کے ساتھ ساتھ ان کے تراجم

۱۱۔ زبانوں کی ترویج، خاص طور پر سنسکرت جیسی مردہ زبان کو دوبارہ علم کے دائرے میں لانا۔

۱۲۔ آریاؤں کی نسلی فضیلت کے نظریات کی تشکیل یا پھر ان نظریات کا انڈالوجی کے ذریعے اشتہار

۱۳۔ انڈالوجی کے ماہرین کی ہندوستان کی اس وقت کی صورتحال سے عدم دلچسپی

۱۴۔ اس سے آگے رشید ملک نے مختلف ماہرین ہندوستانیات کے کاموں کی ایک وضاحتی کرونولوجی (توقیت) ترتیب دی ہے۔

۱۵۔ ان ماہرین کی تعداد ۳۴ ہے۔

۱۔	کرنل جوزف بوڑن	(؟۔۱۸۱۱ء)
۲۔	ہنری گامس کوبروک	(۱۷۶۵ء۔۱۸۳۷ء)
۳۔	رام موہن رائے	(۱۷۷۲ء۔۱۸۳۳ء)
۴۔	سر مندر موہن، کاسیگور	(۱۸۴۰ء)
۵۔	کرشن گوپال بھندارکر	(۱۸۳۷ء)
۶۔	سر الیگزینڈر کننگھم	(۱۸۱۴ء۔۱۸۹۳ء)
۷۔	فریڈرک میکس میولر	(۱۸۳۲ء۔۱۹۰۰ء)
۹۔	جان فلپ ورڈن	(۱۷۴۸ء۔۱۸۰۵ء)
۱۰۔	سر ولیم ہیوزر	(۱۷۴۵ء۔۱۷۹۴ء)

۱۱۔	نیتھنل بریس ہال ہیڈ	(۱۷۵۱ء۔۱۸۳۰ء)
۱۲۔	سر چارلس ولکنز	(۱۷۵۰ء۔۱۸۳۵ء)
۱۳۔	چوریس ہیمن ولسن	(۱۷۸۵ء۔۱۸۶۰ء)
۱۴۔	جیمز پرنسپ	(۱۷۹۹ء۔۱۸۴۰ء)
۱۵۔	یان اے دوبائی	(۱۷۵۵ء۔۱۸۴۸ء)
۱۶۔	فریڈرک فان شلیگل	(۱۷۶۷ء۔۱۸۴۵ء)
۱۷۔	کرسچین ایس لاسن	(۱۸۰۰ء۔۱۸۷۶ء)
۱۸۔	فرانسی بوپ	(۱۷۹۱ء۔۱۸۵۷ء)
۱۹۔	یوجین ہرناف	(۱۸۰۱ء۔۱۸۵۲ء)
۲۰۔	گامس اولڈہم	(۱۸۱۵ء۔۱۸۷۸ء)
۲۱۔	کرنل جیمز ٹاڈ	(۱۷۸۲ء۔۱۸۳۵ء)
۲۲۔	تھیوڈور افریخت	(۱۸۲۲ء)
۲۳۔	آگسٹ بارتھ	(۱۸۳۴ء)
۲۴۔	جولز سنیٹ ہیلر بارتھلمی	(۱۸۰۵ء۔۱۸۹۵ء)
۲۵۔	تھیوڈور بنفی	(۱۸۰۹ء۔۱۸۸۱ء)
۲۶۔	اوٹو فان بوبن کک	(۱۸۱۵ء۔۱۹۰۴ء)
۲۷۔	جو پال ہیوملر	(۱۸۳۷ء۔۱۸۹۸ء)
۲۹۔	جیمز برجس	(۱۸۳۲ء)
۳۰۔	ریواندرابرٹ کالڈویل	(۱۸۱۴ء۔۱۸۹۱ء)
۳۱۔	پال ڈیوسن	(۱۸۴۵ء)
۳۲۔	تھیوڈور گولڈمسکر	(۱۸۲۱ء۔۱۸۷۲ء)
۳۳۔	جارج ابراہم گریرمسن	(۱۸۵۱ء)
۳۴۔	ریوڈ ایف فان راتھ	(۱۸۲۱ء۔۱۸۹۵ء) [۱۵]

ان اصحاب کے کام کی جو تفصیل رشید ملک نے دی ہے اسے دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ یہ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل لوگ تھے جنہوں نے غیر معمولی انداز میں اپنی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ ان چونتیس افراد کے کام کی نوعیت اور اہمیت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ لوگ اپنے اپنے دائرہ کار میں غیر معمولی انسان تھے۔ ہندوستان ہندوستانیات کی یہ روایت محض ان بتیس افراد کی مرہون منت نہیں بلکہ اور بھی کئی نامور اور بے نام لوگ ہیں جنہوں نے اس روایت کو اپنے اپنے انداز میں ثروت مند بنایا ہے۔

انڈالوجی کے حوالے سے اہم ترین کام اس سنسکرتی ادب کی روایت کی دریافت نو ہے۔ جسے آریاؤں کا مذہبی ادب قرار دیا جاتا ہے۔ سنسکرت کے مذہب میں ویدوں کی اہمیت بے حد زیادہ ہے اور انڈالوجی کے ماہرین آج تک دنیا کی مختلف زبانوں میں ویدوں کے تراجم بھی کر رہے ہیں اور ویدوں میں موجود فلسفے، اساطیر، دانش اور مذہبی اور روایت پر دادِ تحقیق بھی دے رہے ہیں۔ رشید ملک نے بجا طور پر لکھا ہے کہ

''انڈالوجی کی یہ عظیم الشان عمارت چار ستونوں پر کھڑی ہے۔

''ا۔ (ا) لسانیات

(ب) ویدا اور ان سے ملحقہ ادب

i) برہمن ii) آرینانکہ iii) اپنشد

(ج) دو عظیم الشان رزمیہ نظمیں۔ رامائن اور مہابھارت

(د) دھرم شاستر اور سنسکرت کا ادب

۲۔ علم الاساطیر

۳۔ آریائیت اور اس سے متعلقہ مسائل

۴۔ علم الآثار

انڈالوجی کے ان چار شعبوں میں مرکزی حیثیت ویدوں اور ان سے ملحقہ مذہبی ادب ہی کو حاصل ہے۔''[۱۶]

بلاشبہ ہندوستانیات (انڈالوجی) میں ویدوں کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اس علم کی اساس یوں کہیے کہ ویدوں پر ہی رکھی گئی ہے۔ ویدوں کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اختصار کے ساتھ بھی اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو کئی مجلدات کی ضرورت پڑے گی۔

''اس موضوع پر پچھلے دو سو سالوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آج بھی انڈالوجی کے بڑے بڑے عالم ویدوں پر مسلسل اور متواتر لکھ رہے ہیں۔ ہندوستان میں اوراب ہمارے ہاں بھی ویدوں بالخصوص رگ وید سے استشہاد، استناداوراستنباط کا بے دریغ عمل شروع ہو چکا ہےاور تیز سے تیز تر ہوتا چلا جار ہا ہے۔''[۱۷]

ویدکی تعداد چار ہےاوران کی زمانی اوررواجی (مروجہ) ترتیب کچھ یوں ہے۔

۱۔ رگ وید

۲۔ یجروید

۳۔ سام وید

۴۔ اتھر دوید

ان ویدوں کے تحلیل وتجزیےاوراہمیت کے حوالے سے رشید ملک کا یہ کہنا بے حد بصیرت کا حامل ہے کہ

''ہمارے لئے ترتیب کا مسئلہ اہم نہیں ہے کیونکہ مندرجہ ذیل سطور میں توجہ کا مرکز رگ وید ہی ہوگا۔ایک تو اختصار کے پیشِ نظراور دوئم رگ وید پر ملاحظات دوسرے ویدوں پر بھی آسانی سے منطبق ہوجاتے ہیں۔''[۱۸]

''رگ وید'' کے حوالے سے رشید ملک نے دو ماہرین کی آراء ایک خوبصورت اوراچھوتے تعارف کے طور پراستعمال کیا ہے میکس میولراورگرفتھ بالترتیب ویدوں کے بارے میں کہتے ہیں۔

''وید سے زیادہ اکتادینے والی اور کیا چیز ہوسکتی ہے۔لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ آریائی بولنے والوں کا یہ پہلا لفظ ہےتو اس سے زیادہ دلچسپ بھی کیا ہوسکتا ہے۔''[۱۹]

''وید میں بڑی کشش ہےاس کا تعلق تاریخ عالم سے ہےاورتاریخ ہند سے بھی ہے۔ جب رگ وید تک انسان اپنی تاریخ میں دلچسپی لیتا رہے گا اور جب تک ہم اپنے کتب خانوں اورعجائب گھروں میں ماضی کے نشانات محفوظ کرتے رہیں گے کتابوں کی لمبی قطار میں جن میں نوع انسانی کی آریائی شاخ کا ریکارڈ ہوگا۔ پہلی جگہ رگ وید ہی کو ملے گی۔''[۲۰]

اس کے بعد رگ وید کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یہ اہم ترین وید ہے اور پچھلی صدی کے اوائل تک یہ آریائی قبائل کی اولین دستاویز قرار دی جاتی تھی۔ رشید ملک نے رگ وید کے مختلف منڈلوں (دائروں، حصوں) کی تعداد دس بتائی ہے اور نظموں کی تعداد ۱۰۱۷۔ ان کا خیال ہے کہ اگر اس میں وہ گیارہ نظمیں بھی شامل کر لی جائیں جو وال کھیلیہ کہلاتی ہیں اور آٹھویں منزل سے اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ الحاقی دکھائی دیتی ہیں تو پھر کل تعداد ۱۰۲۸ رگ وید ہو جاتی ہے۔[۲۱] رگ وید کے کل اکیس مختلف مضمون تھے جو اکیس شاخوں کے طور پر مروج تھے لیکن آج ان میں سے صرف چار موجود ہیں۔

۱۔ شاکلا......مروجہ متن

۲۔ وشاکلا (بھاشاکلا) ان میں کچھ ایسی نظمیں بھی ہیں جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ ان کے خالق غیر آریائی تھے۔

۳۔ اشوالائینا......اس حصے میں وہ گیارہ نظمیں شامل ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے۔

۴۔ شامکھانیہ......یہ گیارہ میں سے کچھ نظموں کو قبول کرتا ہے اور کچھ کو نہیں۔[۲۲]

رگ وید کو دیگر ویدوں کی طرح الہامی خیال کیا جاتا ہے۔ رگ وید سے ماہرین نے جو جو کام لئے ہیں ان کے بارے میں رشید ملک نے درست طور پر لکھا ہے کہ:

> ''رگ وید کے مکاتب کی بحث میں سب سے دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ انڈالوجی کی بنیاد آثار قدیمہ کے علاوہ مذہبی ادب خصوصاً رگ وید پر قائم ہے۔ رگ وید کے مکاتب کے ہر مفکر نے اس کتاب کو اپنے مخصوص زاویے سے دیکھا۔ علم لسانیات کے ماہرین نے اس کی زبان سے استنباط کیا۔ ماہرین تاریخ وثقافت نے رگ وید کی مناجاتوں میں تاریخی واقعات اور انقلابات کا پتہ چلانے کی کوشش کی۔ ماہرین علم الاساطیر بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ہمارے ہاں کے مصنفین بھی ایسی کوششیں میں مصروف ہیں۔ کئی دانشور اس کتاب کے بیان کردہ اساطیر کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور ان کو تاریخ سمجھ کر اس زمانے کی تاریخ اور معاشرے کے خدوخال متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کئی نے اپنے مخصوص خیالات ونظریات کی فکری اساس اس کتاب میں تلاش کی ہے۔ یہ سب

کوششیں اکثر متضاد نتائج مرتب کرتی نظر آتی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے بارے میں واحد دستاویزی شہادت (رگ وید) کے متعلق کئی امور تصفیہ طلب ہیں اور ان متضاد نتائج سے بھی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جدید تحقیق کا مطالبہ کتنا صحیح ہے کہ صرف لسانیاتی شہادت حتمی اور فیصلہ کن اس وقت تک نہیں ہوسکتی ۔جب تک اس کی تائید کسی اور ذریعے سے خصوصاً آثار سے نہ ہو۔انڈالوجی کے اکثر معاملات میں آثار کی شہادت قطعی ہے بشرطیکہ تمام امور پیش نظر رکھا جائے۔'' [۲۳]

رشید ملک نے رگ وید کی قدامت اور جائے پیدائش کا اندازہ لگانے کی بھی سعی کی ہے اور اس بارے میں مختلف ماہرین کی آراء کو پیش نظر رکھا ہے۔

''ویدوں کی تدوین کے تاریخی مراحل پر بھی غور کیا گیا ہے۔ کچھ دانشوروں کا خیال ہے کہ وید تصنیف تو افغانستان کے علاقے میں ہوئے یا اس سے باہر ہوئے لیکن اس کی تدوین پنجاب میں ہوئی۔ڈانڈیکر کا خیال ہے کہ اس کی تصنیف تو ۲۴۰۰ سے ۲۰۰۰ قبل مسیح میں بلخ کے علاقے میں ہوئی لیکن پنجابیوں کے ذریعے اس کی نظر ثانی ،اس کے مطالب کا اخفا اور مختلف شاکھاؤں یا خاندانوں میں ان کی تقسیم اور ان کی ترتیب سات دریاؤں کی سرزمین میں ہوئی۔''[۲۴]

اس طرح سے رشید ملک نے یجروید، سام وید اور اتھروید کے بارے میں بھی جدید ترین تحقیقات سے اُردو کے قاری کو روشناس کرایا ہے۔

''یہ آریا کی زبان بولنے والوں کا دوسرا وید ہے ۔اس کا بہت سا حصہ رگ وید سے ماخوذ ہے لیکن اصلی متن سے اس کا اختلاف بھی ہے اور یہ اختلاف کافی نمایاں ہے۔اس کا کچھ حصہ نثر پر مشتمل ہے اور بہت بعد کا اضافہ ہے۔اس وید کا جغرافیائی ماحول بھی رگ وید سے مختلف ہے ۔بجائے پنجاب کے دریاؤں کے اس وید میں ستلج، جمنا اور گنگا کا ذکر نمایاں ہے۔''[۲۵]

''[سام وید] یہ تیسرا وید ہے۔اس میں ۱۵۴۹ اشعار ہیں اور سوائے ۷۵ اشعار کے تمام رگ وید سے لیے گئے ہیں۔اس اخذ کردہ مواد میں بعض تو پوری کی پوری مناجاتیں ہیں۔بعض رگ وید کی مناجاتوں کے ٹکڑے ہیں اور بعض صرف ایک آدھا شعر۔قربانیوں کے پیش نظر ان مناجاتوں کی ترتیب بھی مخصوص ہے اور رگ وید میں ان مناجاتوں یا اشعار کی ترتیب مختلف ہے۔''[۲۶]

''اس وید [سام] کے مخاطب سوم، اندر اور اگنی ہیں۔اس کتاب کے ماہرین کی نظر میں ان ویدی نظموں کی ادبی حیثیت زیادہ نہیں ہے اور رگ وید سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی تاریخی اہمیت بھی نہیں ہے۔کیونکہ یہ مناجات پڑھی نہیں بلکہ گائی جاتی تھیں اس لیے سام وید کی غنائی اہمیت بہت زیادہ ہے۔اس سے متعلق شکھاؤں میں موسیقی کے متعلق بہت مواد تھا۔''[۲۷]

''[اتھروید] تاریخی لحاظ سے یہ ہندوؤں کی چوتھی کتاب ہے۔اس کا تقریباً چھٹا حصہ منظوم مناجاتوں پر مشتمل ہے۔جو رگ (وید) کے پہلے، آٹھویں اور دسویں منڈل سے ماخوذ ہیں۔اس کا دوسرا چھٹا حصہ نثر ہے۔اتھرو کا موضوع مخصوص ہے۔اس میں جادو ٹوٹکے، ٹونے، جھاڑ جھونک اور گنڈوں کے طریقے دیئے گئے ہیں۔اس حصے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں ان منتروں اور عملیات کا مقصد تجربے۔علاج معالجہ اور عافیت۔۔ان سے بخار، مرگی، کوڑھ، یرقان، زچگی، بانجھ پن، نامردی کا علاج، اولادِ نرینہ کے حصول میں کامیابی اور عشق و محبت میں کامیابی ہیں۔ایک ایسا منتر بھی ہے جس کے پڑھنے کا مقصد گھر والوں کو سلا دینا ہے تاکہ عاشق اپنی محبوبہ کے گھر بغیر خوف کے داخل ہو سکے۔''[۲۸]

انڈالوجی کا کوئی بھی سنجیدہ مطالعہ اساطیر کے مطالعے، ان کی نوعیت کے تجزیے اور ان کی ماہیت کو سمجھے بغیر ایک غیر مشکور سعی کا حامل ہوگا اس لیے انڈالوجی کے مطالعے کے لیے اساطیر اور اساطیر کے علم سے شناسائی بے حد ضروری ہے۔رشید ملک نے انڈالوجی کے ضمن میں اساطیر کے مطالعے کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''انڈالوجی میں اساطیر کے مطالعے کا مقام بڑا اہم ہے لیکن اساطیر کا موضوع بذاتِ خود انسانی علوم کا بہت بڑا شعبہ ہے۔اس نے پچھلے تقریباً اڑھائی ہزار برسوں سے انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رکھی ہے۔''[۲۹]

اساطیر پر تحقیق کرنے والوں اور اس علم کے سنجیدہ کارگزاروں نے اساطیر کے بارے میں مختلف نقطۂ نظر اپنائے ہیں۔کچھ کا خیال ہے کہ یہ مذہب ہیں، فلسفہ ہیں، سائنس ہیں، تاریخ ہیں، ادب عالیہ ہیں، معاشرے کا اجتماعی لاشعور ہیں لیکن یہ سب اپنے اپنے انداز میں اساطیر کے غیر معمولی خزانے کو دیکھنے اور سمجھنے کا رویہ رکھتے ہیں۔رشید ملک نے اساطیر کی تعریف وضع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''عربی زبان کا لفظ اسطورہ، فارسی کا اسطور اور انگریزی کا سٹوری ان سب کے لیے یونانی زبان کا لفظ متھ استعمال ہوتا ہے۔اسطور کی جمع اساطیر ہے جس سے مراد بہت ساری اسطور ہیں لیکن اس لفظ سے مراد اساطیر کا علم اور ان کا سائنسی اور تاریخی خطوط پر عمیق مطالعہ اور اساطیر کا ایک نظام بھی ہے جسے انگریزی میں ''متھالوجی'' کہتے ہیں۔یہ انسانی علوم کا وہ شعبہ ہے جس کا منصب مختلف اقوام کی اساطیر کی تعبیر، تاویل، تجزیہ، تحلیل، تقابل اور ان کے دیگر شعبہ ہائے علوم سے تعلقات کا تعین ہے''[۳۰]

اس عملی بحث میں انہوں نے دنیا بھر کے ماہرینِ اساطیر سے استفادہ کیا ہے اور اپنے اس مطالعے سے شاندار نتائج برآمد کیے ہیں۔انہوں نے اساطیر اور علم الاساطیر کے اس مخزنِ لامختتم کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''اسطور سازی انسانی سرشت میں پیوست ہے۔ اگر ماضی بعید کا انسان یہ اساطیر بننے میں مصروف رہا ہے تو آج کا انسان بھی اساطیر سازی میں اتنا ہی سرگرم ہے۔یہ الگ بات ہے کہ ہماری بنائی ہوئی اساطیر ہمیں خود نظر نہیں آتیں لیکن آج سے ہزار سال بعد آنے والے انسان ان کو اتنی ہی دلچسپی سے دیکھے گا جتنی دلچسپی سے آج ہم ماضی بعید کی اساطیر کو دیکھ رہے ہیں۔انسانی تاریخ کے ہمہ گیر مطالعے کے لیے اساطیر کا کردار بہت اہم ہے۔اساطیر کا ہمارے تجربات کی دنیا سے ماورا ہونا، ان کا غیر معمولی حالات و واقعات پر مشتمل ہونا، ان کا کسی

ثبوت کا محتاج نہ ہونا اور ان کے جواز پر اصرار نہ ہونے کی بناء پر روزمرہ زندگی میں یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ اساطیر جھوٹے قصے کہانیاں ہیں۔ یوں اس لفظ میں فرضی قصے اور ادب کے اس زمرے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے جنھیں فیبل یعنی جانوروں کی کہانیاں کہا جاتا ہے۔ یوں یہ لفظ فیبل اساطیر کی مترادفات میں شامل ہو جاتا ہے لیکن مذہب کے حوالے سے اساطیر اور جانور کہانیوں میں امتیاز کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ جانور کہانیوں کا مذہب سے وہ رشتہ نہیں بنتا جو مذہب سے اساطیر کا ہے۔ جانور کہانیوں میں اخلاقیات کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ اسطور **لیجینڈ** سے بھی مختلف ہے کیونکہ اسطور میں ورائے عقل کی باتیں زیادہ ہوتی ہیں اور تاریخی عنصر بہت کم ہوتا ہے۔'' [۳۱]

رشید ملک نے اس ضمن میں اساطیر سے ملتی جلتی اصناف سے ان کا تقابل بھی کیا ہے اور اساطیر شناسی یا اساطیر فہمی کے مختلف طریقوں اور مکاتب کا بھی جائزہ لیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ اساطیر کے موضوع کیا ہو سکتے ہیں یا ہوتے ہیں۔ انہوں نے ساختیات اور اساطیر کے تعلق سے جو کچھ لکھا ہے اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے:

''اساطیر میں عالمگیر مماثلتوں کی دریافت نے اساطیر کے تجزیے کے لیے ساختیاتی طریقہ کار کی راہ ہموار کی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کسی اسطور کی گہرائی میں اترنے کے لیے اس اسطور کی ساخت اور اس میں اور دیگر اساطیر میں مماثلتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔'' [۳۲]

ساختیاتی طریقہ کار اساطیر کے مطالعے کا ایک اور طریقہ متعارف کراتا ہے۔ اس ضمن میں لیوی سٹراس اور ایڈمنڈ لیچ وغیرہ کا کام دیکھا جا سکتا ہے جنہوں نے اسطور فہمی کا ایک بالکل نیا در وا کیا ہے۔

رشید ملک نے ہندی اساطیر کے حوالے سے بھی بے حد اہم نکات کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ان کا یہ خیال بے حد بلیغ ہے کہ

''ہندو مذہب، ادب، شاعری، ڈرامہ، موسیقی، مصوری، تھیٹر، بت تراشی اور تعمیر کے فنون کا سر چشمہ یہی اساطیر ہیں۔ ادنیٰ کے ساتھ ارفع، دہشت ناک کے

ساتھ کریم النفس اور حسن کے ساتھ قبح کو قبول کر کے یہ اساطیر ہندو مذہب کی پوری ہمہ گیری کو منعکس کرتی ہیں۔ یہ اساطیر انتہائی زرخیز اور متنوع ہیں۔ یہ قوانین قدرت اور اس کی طاقتوں کی دھندلی دھندلی تجسیم سے شروع ہو کر زمان و مکان کی پیچ در پیچ اساطیری تعمیروں پر ختم ہوتی ہیں۔ کائنات، اس کا مخرج اور اس میں انسان کے مقام سے لے کر دریا پر کسی پتن کی موجودگی کی تشریح ایک سادہ سی کہانی میں مل جاتی ہے۔ زندگی کے بحرانوں اور مصائب کی طغیانی میں اساطیر ایک ہندو کی دست گیری کرتی ہیں اور وہ اپنے مسائل کا حل انہی میں تلاش کرتا ہے'' [۳۳]

انڈالوجی کے اس سلسلے میں انہوں نے نئے آریائیت کے مسئلے، بھگتی تحریک اور وادیٔ سندھ کے حوالے سے ہوئے پیش رفت پر بھی ناقدانہ بحث کی ہے۔ آریائیت کا مسئلہ برصغیر کے مزاج کی تفہیم کے حوالے سے بے حد سنجیدگی کا حامل رہا ہے اور جرمن انڈالوجسٹوں نے اس مرحلے کو جس طرح عالمی سیاست سے جوڑ کر یہودیوں کے خلاف استعمال کیا اور پھر جس طرح سے جرمنی کا احساس تفاخر عالمی جنگوں میں ڈھل گیا اس کی وجہ سے اس مسئلے نے بے حد اہمیت حاصل کی ہے۔ آج بھی برصغیر کے لوگ اس سوال کا سامنا کر رہے ہیں کہ ان کا نسلی معدن کیا ہے۔ کیا وہ آریائی ہیں یا دراوڑ ہیں۔ ''اُردو شاعری کا مزاج'' میں کیونکہ گیت کو آریائی مزاج سے مربوط کر کے دیکھا گیا ہے اس لیے رشید ملک نے اس مسئلے کے علمی پہلوؤں پر بہت غور کیا۔ بھگتی تحریک بھی ایک لحاظ سے امتزاج کی ایک ایسی تحریک تھی جس نے برصغیر کے مزاج کو تصادم کی کیفیت سے نکال کر آشتی کی راہ دکھائی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں وادیٔ سندھ کی دریافت نے علمِ بشریات (Anthropology) کو بالکل نئے مباحث سے روشناس کرایا۔ وادیٔ سندھ کا مطالعہ متون کی جگہ آثاریات پر مبنی تھا اور اس زمین اور زمانے کے متون بالکل ہی نہیں پڑھے جا سکے۔ اس علمی ورثے کا تمام تر دارومدار علم الآثار پر ہے اور یہ قدیم ہندوستان کے مطالعے کا ایک نیا پہلو سامنے لاتا ہے ان حوالوں سے رشید ملک نے جو اہم مباحث اٹھائے ہیں انہیں ذیل کے اقتباسات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''آریا کون تھے؟ یہ تھے بھی یا نہیں؟ کیا کوئی آریا نامی نسل انسانی دنیا ہے بھی یا کبھی تھی؟ آریائیت کا نظریہ کیونکر اور کیسے وجود میں آیا؟ اس کے محرکات کیا تھے؟ نسل اور زبان کا باہمی رشتہ کیا ہے؟ کیا یہ رشتہ ہے بھی یا نہیں؟ کیا زبان

انسانی نسل کی یا نسل زبان کی بنیاد بن سکتی ہے؟ کیا کسی ایک نسل انسانی کو کسی دوسری نسل انسانی پر کوئی فوقیت یا فضیلت حاصل ہے؟اس فضیلت یا برتری کا تاریخ انسانی میں کوئی کردار ہے؟ خاص وجوہ کے پیش نظر انیسویں صدی میں ان مسائل کو کچھ ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی۔اسکی بازگشت ہمیں آج بھی سنائی دیتی ہے۔اُردو زبان میں لکھنے والوں کے لیے یہ مسئلہ آج بھی بہت اہم ہے۔ ہماری تاریخ نویسی کا،خواہ وہ سیاسی ہو یا معاشرتی ،ادبی ہو یا ثقافتی،آغاز انہی سوالات سے ہوتا ہے۔''[۳۴]

''ڈی ایسٹ(Deist) تحریک کو جوخرد افرازی کی تحریک کا مذہبی شاخسانہ ہے تمام مذاہب کی تہہ میں وہ آفاقی اور عالمگیر اصول نظر آتے ہیں جو تمام مذاہب کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔اس مذہب کے پیروکاروں کی نظر میں حضرت موسیٰ نے تمام الہامی علوم مصریوں سے حاصل کیے تھے کیونکہ حقیر اور کم مایہ اور غلام لوگوں پر وحی کیسے نازل ہوسکتی ہے؟ یہ خیال بھی پیش کیا گیا کہ حضرت موسیٰ کو پیغمبر بنانے میں اللہ تعالیٰ سے غلطی ہوگئی تھی۔ والٹر نے کہا کہ آدم نے اپنا تمام علم یہاں تک کہ اپنا نام بھی ہندوستانیوں سے لیا۔ڈیڈرو نے اپنی انسائیکلو پیڈیا میں کہا کہ علوم مصر کے مقابلے میں ہندوستان میں زیادہ قدیم ہیں۔ایسی اوران جیسی تمام کوششوں کے پیچھے اہل یہود کے مقابلے میں مغربی اقوام کی نئے آدم اوراس کے لیے نئے مخرج کی تلاش تھی۔''[۳۵]

''انگریزوں اور دوسرے اہل فرنگ نے نئی نئی سنسکرت سیکھی تھی۔وہ لفظ آریا کے کلچرل سیاق وسباق سے اوراس کی تاریخ سے پوری طرح آگاہ نہ ہو سکے اور اپنی بے خبری میں اتنا کم استعمال ہونے والے لفظ سے انسانی نسل مراد لینے لگے اور یوں آریائی نسل پیدا ہوگئی۔انسانیت کواس غلطی کا خمیازہ اس صدی کے وسط میں بھگتنا پڑا۔''[۳۶]

''چنانچہ بھگتی ایک زبردست اوراہم انقلابی تبدیلی تھی جس نے روحانی، مذہبی،

دنیاوی، سماجی، اخلاقی اور جمالیاتی اقدار کو بدل کر رکھ دیا۔ نئے دیوتا، نئے تصورات، عبارت کے نئے طریقے، پرانی اقدار کا استرداد اس انقلاب کے چند عناصر تھے جنہوں نے زندگی اور موت اور آخرت کے بارے میں انسان کا نقطۂ نظر قطعی طور پر بدل دیا۔ ہندوازم کے مذہبی ڈھانچے کے مفروضہ جمود کے پیشِ نظر یہ خیال بھی پیش کیا گیا ہے کہ اس انقلاب کے مخارج ہندوازم کے باہر ہوں گے۔ چنانچہ اس ضمن میں کافی جگرسوزی سے کام لیا گیا ہے۔‘‘[۳۷]

’’اس مسئلے اور اس جیسے دوسرے مسائل کا تجزیہ کرتے وقت دو امور ذہن میں رکھنے چاہئیں۔ اول یہ مسائل ایک بہت بڑے مسئلے کے ذیلی مباحث ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے کس حد تک ہندو مذہب، تہذیب، تمدن، ثقافت اور طرزِ زندگی کو متاثر کیا اور خود کس حد تک متاثر ہوا۔ دوسرے اس امر کا تعلق طریق کار سے ہے۔ ہندوستان کی طرزِ زندگی میں تبدیلیوں اور انقلابات کو ہم آریاؤں اور مقامی لوگوں خصوصاً دراوڑی زبان بولنے والے قبائل اور پھر اسلام سے منسلک کر دیتے ہیں۔ ہندوازم میں ویدک عہد سے لے کر آج تک بے شمار تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اس میں بڑے انقلابات آئے ہیں۔ ان کی توجیہہ جس طرح آج کل ہم کر رہے ہیں ان وجوہات کو آج کل کے انڈالوجسٹ خصوصاً پروفیسر جے گولڈسب سٹریم طریقہ کار کہتے ہیں اور وہ لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کی نظر میں ان تبدیلیوں اور انقلابات کا سرچشمہ اس مذہب کے اندر ہی ہے جو اس مذہب اور ہندوستان کی ثقافت اور طرزِ زندگی کو حالات کے مطابق تبدیل ہونے پر مجبور کرتا ہے۔ یہی ہندو مذہب کی طویل العمری کا راز ہے۔‘‘[۳۸]

’’وادیٔ سندھ کی تہذیب کا مطالعہ دراصل ہمارے اپنے پیدا کردہ تعصّبات سے گلوخلاصی کی اور نئے تعصّبات کو پالنے کی داستان ہے۔ جہاں اس کی دریافت سے یہ تعصب زائل ہوا کہ اس خطے کی کوئی تاریخ ہی نہیں وہاں اس کے پس منظر

میں اور بہت سے نئے تعصّبات بھی پیدا ہوئے ۔اس موضوع پر آج کل جو مطالعات غیر ماہرین مرتب کر رہے ہیں ان سے یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ یہ پرانے تعصّبات جو نا کافی شہادت کی بنیاد پر مرتب کیے گئے تھے آج بھی بڑی حد تک ہمارے ذہنوں میں پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔''[۳۹]

''وادیٔ سندھ کا مطالعہ اس کی ابتدا اور زوال کی داستان کے الف لیلائی طلسم سے کہیں آگے جا چکا ہے۔بیسویں صدی کی آخری دہائی کا ذہن اندر دیوتا کی مہمات،رگ وید کے متون اوراساطیر وغیرہ پر مبنی قیاسات سے اب مطمئن نہیں ہو سکتا۔اس کی ابتدا اورزوال کا عمل کہیں زیادہ ثقافتی حرکیات کا طالب ہے۔ان نتائج کے مطالعے سے وادیٔ سندھ پر اس ابتدائی تحقیق کا ایک اور خطرناک پہلو سامنے آتا ہے۔اس تحقیق کے دوران جو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ان کا کوئی متفقہ معیار نہیں قائم کیا گیا۔ایک ہی اصطلاح نسلی،ثقافتی اورعلم الآثار میں استعمال ہوتی ہے اور ہر جگہ اس کے سیاق وسباق کے مختلف ہونے سے اس کے معانی بدل جاتے ہیں۔''[۴۰]

''وادیٔ سندھ کے مطالعے کے ایک دلچسپ موضوع کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے اس تہذیب کی تعمیر کی۔اس میں وادیٔ سندھ کے معماروں کے متعلق مختلف خیالات ملتے ہیں۔ہڑپہ اور موہن جوداڑو کے اکتشاف سے پہلے رگ وید کی روشنی میں تسلیم کرلیا گیا کہ آریاؤں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں رہنے والے چھوٹے قد،سیاہ فام،چپٹی ناک والے لوگ تھے۔وہ لامذہب تھے۔لنگم کی پرستش کرتے تھے اورقربانیوں سے احتراز کرتے تھے۔محققوں نے انہیں دراوڑ قرار دیا۔یہ خیال بڑا عام تھا کہ ان دراوڑوں پر نام نہاد آریا حملہ آور ہوئے اور انہیں تہہ تیغ کر دیا۔کچھ دراوڑوں نے بھاگ کر جنوبی ہند میں پناہ لے لی اور وہیں بس گئے۔جو دراوڑ بھاگ نہ سکے انہیں غلام بنا لیا گیا اور وہ داس کہلائے۔ان کی عورتوں کو آریاؤں نے اپنے گھروں میں ڈال لیا۔اس

سے آریاؤں کے مذہب میں بہت سے دراوڑی عقائد، رسومات اور توہمات داخل ہو گئے۔ یوں آریاؤں کا پراچین مذہب بھرشٹ ہو گیا اور بالآخر اس نے موجودہ ہندومت کی صورت اختیار کر لی۔ ویدک مذہب کی ہندو مذہب میں تقلیب انڈالوجی کا ایک اہم سوال ہے اور اس کے جواب متنازعہ اور باہم متصادم ہیں۔" [۴۱]

"وادیٔ سندھ پر اس وقت غیر ممالک کے ماہرین بھی کام کر رہے ہیں۔ ان میں امریکی، اطالوی، المانوی، برطانوی اور فرانسیسی مشنوں کے ماہرین شامل ہیں۔ ان کی کچھ رپورٹیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیادہ وہ ہیں جو ابھی تیار نہیں ہوئیں یا طباعت کے ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہیں۔ بہت سا مواد اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہے۔ چنانچہ اب آثار یا باستان شناسی کا یہ شعبہ علماء حضرات کی سرگرمیوں سے نجات حاصل کر چکا ہے۔" [۴۲]

انڈالوجی کے وسیع و عریض علم کی تمام تر اہم جہات کو جس کی تاریخ دو سو سال تک پھیلی ہوئی ہے صرف بیس قسطوں میں سمیٹ لینا رشید ملک کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ بعد میں یہ بیس مضامین بیش قیمت اضافوں کے ساتھ ایک کتاب میں مربوط کیے گئے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ کتاب بنیادی طور پر ایک ادبی تنازعے کو صحیح صورتحال میں دیکھنے اور دکھانے کی خواہش کے نتیجے میں وجود میں آئی ہے۔ انڈالوجی کے حوالے سے رشید ملک نے زیادہ تفصیل کے ساتھ رگ وید، آریاؤں اور آریائیت کے مسئلے پر اور وادیٔ سندھ پر [۴۳] قلم اُٹھایا اور ان موضوعات پر مختلف نوعیت اور مختلف علوم کے دائرے میں ہونے والی قدیم ترین اور جدید ترین تحقیق سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں انکسار سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اس کتاب میں شامل مضامین کسی نئی تحقیق کے مدعی نہیں ہیں ان کا انحصار محض ثانوی ماخذ پر ہے اور ان کی اشاعت کا مقصد انڈالوجی کے چند شعبوں کا تعارف ہے۔ یہ مقالات کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے مدعی بھی نہیں کیونکہ ان کا مقصد صرف قاری کو ان جہات سے متعارف کرانا ہے جو ان شعبوں پر تحقیق اختیار کر رہی ہے اور پھر تحقیق میں کوئی نتیجہ بھی حتمی نہیں ہوتا۔" [۴۴]

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اُردو زبان میں اس موضوع پر ایک جامع کتاب ہے اور اس موضوع پر اب کی گئی تحقیق خواہ وہ لسانیات کے دائرے میں ہو، قدیم ادبی متون کے حوالے سے ہو یا پھر علم الآثار کے حوالے سے، اس سلسلۂ مضامین میں ان کا بھرپور محاکمہ کیا گیا ہے اور یہ مضامین اس موضوع پر جدید ترین معلومات کے حامل ہیں۔

''فنون'' میں انڈالوجی کے سلسلۂ مضامین کی اشاعت سے اس موضوع پر لوگوں کو سوچ بچار اور غور وفکر کا موقع ملا تو اس کے جون جولائی ۱۹۹۰ء کے شمارے سے رسول طاؤس نے بھی انڈالوجی کے حوالے سے ایک نیا سلسلۂ مضامین شروع کیا۔ اس سلسلے کی پانچ اقساط جون جولائی ۱۹۹۰ء سے اکتوبر دسمبر ۱۹۹۱ء تک شائع ہوئیں۔ یہ سلسلۂ مضامین سوویت یونین میں انڈالوجی کے حوالے سے ہونے والے کام کا تعارف کراتا ہے اور زیادہ تر ایک ہی کتاب کی تلخیص پیش کرتا ہے۔

> ''ہر چند کہ ایسی تحریر کی اصل محرک ''تصویرِ ہند'' نام کی یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں ماسکو سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنفین G. BONGARD LEMN اور A.VIGASIN ہیں۔ کتاب کا موضوع ہے'' سوویت یونین میں ہندوستان کی قدیم تہذیب کا مطالعہ''۔[۴۵]

یہ کتاب سوویت یونین میں ہونے والے اس موضوع پر کام کا احاطہ کرتی ہے اور اس مضمون میں اس کتاب پر ہی انحصار کرتے ہوئے اس روایت کا تعارف کرایا گیا ہے۔

> ''یونیسکو کے اہتمام کے تحت ان اجتماعات کے علاوہ ۱۹۸۰ء میں روسی اور بھارتی سکالروں نے وسطی ایشیا اور ہندوستان کی قدیم تاریخ کی تحقیق کے سلسلے میں ایک مشترکہ منصوبے پر کام کی ابتداء کی۔ دو برس بعد الہٰ آباد (بھارت) کے مقام پر دونوں ملکوں کے مورخین کا ایک سیمینار منعقد کیا گیا جس میں روسی کوہ قاف سے لے کر بھارت کے کئی مقامات تک آثار قدیمہ کی جدید تحقیق پر بحث کی گئی۔''[۴۶]

یہ سلسلۂ مضامین اس جامعیت کا حامل نہیں ہے جو رشید ملک کے مضامین میں دکھائی دیتی ہے۔ 'فنون' کے علاوہ اُردو کے کسی اور ادبی جریدے میں انڈالوجی کے حوالے سے اس قدر شاندار تحقیقی کام شائع نہیں ہوا۔ یوں

انڈالوجی کے حوالے سے بھی 'فنون' کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس حوالے سے اُردو میں ہونے والا واحد کام اس جریدے میں شائع ہوا۔ یہ سلسلہ اگرچہ اپنے زمانے کے ایک ادبی مناقشے کی ذیلی پیداوار ہے لیکن یہ اس امر کی بھی گواہی دیتا ہے کہ بعض اوقات ادبی چشمکیں کسی بڑے ادبی کام کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وارث علوی۔ڈاکٹر وزیر آغا کی تنقید نگاری، اظہار، پانچویں کتاب، مرتبہ باقر مہدی، بمبئی ۱۹۸۷ء، ص ۱۴ تا ۱۷۰۔

۲۔ بعد میں یہ مضمون پاکستان سے وارث علوی کی شائع ہونے والی کتاب ''خندہ ہائے بے جا'' میں شائع ہوا۔ دیکھئے: وارث علوی، خندہ ہائے بے جا، کراچی، آج کی کتابیں، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۵۲ تا ۲۲۵۔

۳۔ فضیل جعفری، وزیر آغا کی تنقید نگاری، جواز، مرتبہ سید عارف، مالیگاؤں (بھارت) ص: ۳۷ تا ۱۱۳۔

۴۔ رشید ملک، طلائی ثلیث معاصر (ا) مرتبہ عطاءالحق قاسمی، لاہور، ۱۹۷۹ء۔ص: ۳۸۲ تا ۴۱۹۔
وزیر آغا کا فکری سومنات، معاصر (ii) ۱۹۸۳ء۔ص: ۵۰۶ تا ۵۷۷
وزیر آغا کا فکری سومنات، معاصر (iii) ۱۹۹۴ء۔ص: ۱۹ تا ۲۸
وزیر آغا کا فکری سومنات، معاصر (vii) ۲۰۰۷ء۔ص: ۲۳ تا ۴۱

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلطی ہائے مضامین، اُردو زبان، سرگودھا، مئی جون۔۱۹۵۸ء، ص: ۱۳۔
(بعد میں یہ مضمون ڈاکٹر انور سدید کی کتاب ''کھردرے مضامین'' (لاہور، مکتبہ فکر و خیال، طبع اول، سن ندارد) میں بھی، ص ۹ تا ۱۳۶ شامل ہے۔ فضیل جعفری نے اس مضمون کا جواب بھی لکھا۔ بعد میں انور سدید نے جوابی مضمون کا بھی جواب لکھا)

۶۔ رشید ملک سے مقالہ نگار کی ملاقات، بمقام فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۵ر نومبر ۲۰۰۵ء

۷۔ ۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔

۸۔ ۲۰۰۲ء میں یہ مضامین اضافوں اور ترتیب نو کے ساتھ ''انڈالوجی'' کے نام سے فکشن ہاؤس، لاہور نے شائع کیے۔ یہ کتاب اس موضوع پر ایک مکمل کتاب قرار دی جاسکتی ہے۔ ہندوستانیات کے مطالعے کی تمام تر کوششوں کا خلاصہ اس کتاب میں موجود ہے۔ انہوں نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ''ہماری بیمار اور زوال پذیر تعلیم و تعلم کی فضا میں سنجیدہ کام کے لئے حوصلہ، محبت اور مستقبل پر نظر ضروری ہے۔ اس کا عمل ثبوت ادارہ فنون نے ان مضامین کے ابتدائی خاکوں کو اپنے موقر ادبی جریدے ''فنون'' میں شائع کر کے دیا''۔ انڈالوجی، ص: ۷

۹۔ Indology, Past, Present and Future, Saroja Bhate, Sahitya Akademi, New Dehli, 2004, Page 7

۱۰۔ رشید ملک، انڈالوجی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۹

۱۱۔ رشید ملک، انڈالوجی ایک تعارف، فنون، نومبر، دسمبر، ۱۹۸۷ء، ص۷۴۔

۱۲۔ انڈالوجی، ص۱۱۔

۱۳۔ فنون، حوالہ بالا، ص۷۶۔

۱۴۔ فنون، مذکورہ بالا، ص۷۷۔

۱۵۔ انڈالوجی۔ ص:۴۹تا۷۱۔

۱۶۔ انڈالوجی، فنون، اکتوبر نومبر، ص:۵۸۔

۱۷۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔

۱۸۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص:۵۹۔

۱۹۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص:۵۹۔

۲۰۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص:۵۹۔

۲۱۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص:۵۹۔

۲۲۔ ۔۔۔ایضاً۔۔۔ص:۵۹۔

۲۳۔ ایضاً ص۶۱۔

۲۴۔ ایضاً ص۶۵۔

۲۵۔ ایضاً ص۷۴۔

۲۶۔ ایضاً ص۷۴۔

۲۷۔ ایضاً ص۷۴،۷۵۔

۲۸۔ ایضاً ص۷۵۔

۲۹۔ انڈالوجی، اساطیر، فنون، شمارہ۲۹، نومبر دسمبر ۱۹۸۹ء، ص۱۹۔

۳۰۔ ایضاً ص۱۹۔

۳۱۔ ایضاً ص۲۲۔

۳۲۔ ایضاً ص۲۷۔

۳۳۔ ایضاً ص۵۹۔

۳۴۔ فنون، اپریل جون ۱۹۹۱ء، ص۵۷۔

۳۵۔ انڈالوجی، ص۲۱۶، ۲۱۷۔

۳۶۔ فنون، جولائی ستمبر ۱۹۹۱ء، ص۳۲۔

۳۷۔ فنون، اپریل جولائی ۱۹۹۳ء، ص۹۱۔

۳۸۔ ایضاً ص۹۵۔

۳۹۔ فنون، جولائی دسمبر، ۱۹۹۳ء

۴۰۔ ایضاً ص۶۵۔

۴۱۔ فنون، جنوری مئی ۱۹۹۷ء، ص۸۸۔

۴۲۔ فنون، جون دسمبر ۱۹۹۷ء، ۴۱۔

۴۳۔ دراصل ڈاکٹر وزیر آغا نے وادیٔ سندھ اور آریائیت کے مسئلے پر اُس وقت تک جو کچھ سامنے آیا تھا اُسے بنیاد بنا کر اردو شاعری کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی اور کچھ نتائج اخذ کیے تھے۔ اب جب آریائیت اور وادیٔ سندھ کے حوالے سے وہ سارا تناظر ہی بدل گیا ہے تو آغا صاحب کی تنقید کے نتائج پر بھی ایک بار سنجیدہ گفتگو کی ضرورت ہے۔ اس کتاب پر لکھنے والے کچھ اور ناقدین نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۴۴۔ انڈالوجی، دیباچہ، ص۷۔

۴۵۔ رسول طاؤس، سوویت انڈالوجی، فنون جون جولائی ۱۹۹۰ء، ص۹۷۔

۴۶۔ فنون، اکتوبر دسمبر، ۱۹۹۱ء، ص۶۶۔